Existential Elements in Munir Niazi's Poems

منیر نیازی کی منظومات میں وجودی عناصر

Arifa Batool*[1]
Assistant Professor Urdu, Government Associate College For women, Bilalganj, Lahore.

عارفہ بتول☆[1]

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین بلال گنج، لاہور

Correspondance: arifasyedalinaqvi@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 19-04-2026
Accepted:23-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: The poem of Munir Niazi a distinguished poet of modern Urdu Nazm are reflective of diverse trends. Despite not being part of and specific literary movement, existential influences such as alienation , despair and dread are deeply embedded in his poems. Amidst symbols like the Jungle, serpents , snake charmers , wolves , hungry lions , deserted houses , apparitions and fierce winds , man is like a solitary flower who is intensely terrified from within. The themes of monotony and weariness in Munir's work are also reflections of these existential influences.

KEYWORDS: Modern Urdu Poem, Existentialism , Existential elements, alienation, despair, dread

منیر نیازی جدید اردو نظم کے امتیازی شعرا میں شامل ہیں۔ ان کے گیارہ شعری مجموعوں میں جابجا بکھری نظمیں متعدد تفکرات و تصورات کے حامل رویوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔یوں تو منیر نیازی بہ طور، خاص کسی تحریک سے وابستہ نہیں تھے مگر ان کی نظموں میں موجود فکری نظام کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ پر دو طرح سے مختلف سطح پر

جاری تحریکوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ عالمی منظرنامے پر ظہور پانے والی ان ادبی تحریکوں میں وجودیت کی تحریک غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔

وجودیت فرد کے خارجی ماحول سے زیادہ اس کے داخل کی پاسدار ہے۔ اس تحریک میں وجود کو جوہر پر تقدیم حاصل ہے۔ بیسویں صدی کے جدید ترقی یافتہ مگر نسبتاً ناساز دور میں اپنی شناخت تلاشنے سے پیدا ہونے والی فکر کو وجودیت کا نام دیا گیا۔ وجودیت کی تحریک مغربی معاشرے میں بالخصوص دوسری جنگِ عظیم کے بعد کی صورت حال کے ردِ عمل میں مقبول ہوئی ۔ اس عالمی جنگ نے نہ صرف مغربی سیاسی نظام کو منتشر کیا بل کہ اخلاقی و مذہبی قدروں کے ساتھ ساتھ معاشی روایات کو بھی پامال کیا۔ ناامیدی، مایوسی، خوف اور دہشت کی فضا میں انسان کے پاس اپنا وجود وہ واحد شے تھی جس پر اسے شک نہ تھا۔ چناں چہ اس نے اپنے وجود کو بنیاد بنا کر زندگی کے مسائل کی طرف نگاہ کی۔ اپنے وجود کو اہمیت دینے سے فرد کو احسا س ہوا کہ اس کا ہونا بہت قیمتی ہے۔ وجودی فلسفی ژاں پال سارتر نے اپنی کتاب "وجودیت اور انسان دوستی" میں صاف طور پر لکھا ہے کہ اگر خدا موجود نہیں ہے تو بھی کم از کم ایک ایسی ہستی ضرور ہے جس کا وجود جوہر پر مقدم ہے یعنی ایک ایسی ہستی جو اپنے تصور سے پہلے موجود ہوتی ہے، یہ ہستی انسان ہے[۱]۔ سارتر فرد کو خود مختار قرار دیتا ہے اس کا تصورِ حریت انسان کی کامل آزادی کا اعلان کرتا ہے۔ وجودی فلسفے پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر شاہین مفتی اپنی تصنیف "جدید اردو نظم میں وجودیت" میں تحریر کرتی ہیں:

> "وجودی فلسفے کے مطابق انسانی وجود ایک مستقل عمل ہے۔۔۔ وہ انسان کی کامل آزادی کے تصور پر روشنی ڈالتے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی وجود معدوم جوہر سے نکل کر تشکیل پذیر ہوا ہے۔ وجودی موت بر حق سمجھتے ہیں اور اسے اپنے فلسفے کا بنیادی جوہر قرار دیتے ہیں۔۔۔ یہ عدمیت کا طویل راستہ ہے جس پر چلتے چلتے انسان غمگین، مضطرب، افسردہ، صاحبِ استکراہ اور بیگانہ ہو گیا۔ لغویت اور لاتعلقی کا یہی بحران وجودیت کی اصل بنیاد ہے۔[۲]"

گویا وجودی تحریک انسان کے ہونے کو مرکزیت دے کر اسی حوالے سے فرد کے مسائل سے بحث کرتی ہے۔ وجودی فرد کے مسائل سراسر اس کے داخل سے علاقہ رکھتے ہیں جیسے بیگانگی، لاتعلقی، تنہائی، کرب، الجھن، محرومی، مایوسی، بے زاری، بے بسی و بے کسی، خوف، دہشت، لغویت، لایعنیت اور بے مقصدیت ان سب ہنگاموں کا تعلق فرد کی ذات سے ہے۔ چناں چہ منیر نیازی کی منظومات کے تجزیے واضح طور پر اسی فرد کی جانب نشان دہی کرتے ہیں جس کی باطنی دنیا درج بالا

رویوں کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے۔ خود منیر نیازی کی اپنی زندگی پریشانیوں، مایوسیوں کے طفیل عدمِ تحفظ کا شکار رہی اور یہی رجحان ان کی نظام میں بھی پایا جاتا ہے۔

منیر نیازی نے اپنے عہد میں روا اجنبیت کو علامتوں میں ڈھال کر یوں پیش کیا ہے کہ انکی نظمیں عصری بے حسی کی روداد معلوم ہوتی ہیں۔ نظم نگار جب اپنے اطراف اخلاقی قدروں کی نفی دیکھتا ہے تو سخت مایوسی دامن گیر ہوتی ہے۔ منیر کا فرد وہ تنہا شخص ہے جس کا واسطہ قدم قدم پر وحشی، خوف ناک اور بھوت نما دوپایہ مخلوق سے پڑتا ہے اور اس حیوان نما مخلوق کی بہتات نے اس کرۂ ارض کو ایک ویران درگاہ کی صورت بنا دیا ہے جہاں کشت و خون کا نگار خانہ پورے ماحول کو وحشت ناک بنائے ہوئے ہے۔ ضمیر فروشوں کے تعاون سے جنم لینے والی اس ویران درگاہ میں فرد کی نوا سننے والا کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نظم گو کو پورا معاشرہ بھوتوں اور وحشی جانوروں کی بستی معلوم ہوتا ہے وہ اس معاشرے کی بے سروپا میکانکی زندگی سے عاجز دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظموں میں موجود آسیب زدہ مکان، سناٹوں سے گونجتے کمرے، اجڑی ہوئی گلیاں اور ان میں منڈلاتے خون آشام چڑیلوں کے سائے ایسی فضا تعمیر کرتے ہیں جس میں فرد کی حیثیت محض مشین کے ایک پرزے کی سی ہے اور اس پرزے کی داخلی تنہائی کے کرب کا کوئی پرسان حال بھی نہیں ہے۔ شاعر کے مطابق خود غرضانہ خواہشات کی زور آوری نے موجودہ انسان کو بھوت اور درندہ صفت بنا دیا ہے۔ منیر نے اس انبوہِ انسانی کو اپنی ایک نظم میں ان الفاظ میں منطوم کیا ہے:

پیلے منہ اور وحشی آنکھیں

گلے میں زہری ناگ

لب پر سرخ لہو کے دھبے

سر پر جلتی آگ (۳)

نظم نگار نے اس مخلوق کے دل ایسے بے آباد مکان سے مشابہ قرار دیے ہیں کہ جنھیں اپنی خواہشات کا قبرستان کہنا چاہیے۔ ڈاکٹر نیر صمدانی اپنے مضمون "موجود سے ناموجود کے اتصال کا سفر" میں لکھتے ہیں:

"منیر نیازی کے یہاں زندگی کے مکروہ رویوں کی عکاسی زیادہ ہے وہ بدصورتی کے خلاف احتجاج کرتا ہے وہ بتانا چاہتا ہے کہ سنگ دل سماج نے حسن کو قتل کر دیا ہے اب گدھ اور سانپ مقتول حسن کی نعش نوچنا چاہتے ہیں۔"(۴)

منیر نیازی کی نظموں میں وجودی عنصر کی بیگانگی مختلف کیفیتوں میں ظاہر ہوئی ہے۔اس عنصر کی فراوانی اس بات پر دال ہے کہ معاشرے کا ذی حس طبقہ کرب سہہ سہہ کر دہشت ناک ہو چکا ہے، یہی نہیں عدم تحفظ اور خوف کا احساس اس پر مستزاد ہے۔ نظم "ایک بھاری رات" سے اقتباس ملاحظہ ہو:

گھر کی دیواروں پہ دیکھو بوندیں لال پھوار کی ہیں

آدھی شب دروازے کھڑکیں ڈائنیں چیخیں مارتی ہیں

سانپ کی شوکر گونجے جیسے باتیں گہرے پیار کی ہیں

ادھر اُدھر سے چھپ چھپ کر ہنستی شکلیں شہر سے پار کی ہیں

پاس سے روح سماں گزرتی مہکیں باسی یار کی ہیں

گورستان کی راہ دکھاتی کوکیں پہرے دار کی ہیں (۵)

درج بالا مصرعوں میں دہشت اور خوف سے جھلکنے والی بے یقینی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ یہی بے یقینی فرد کو مشینی عہد سے بے زار کرتی ہے اور وہ اجنبیت کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب جاتا ہے۔ تنہائی اور اجنبیت یا بیگانگی کا یہ احساس اسے محسوس کراتا ہے کہ وہ اس دنیا میں تنہا ہے اور ساری دنیا اس کے لیے بے معنی ہے۔ سماجی رابطوں کا یہ انہدام اتنا زور آور ہے کہ منیر نیازی کے ہاں نظر آنے والا فرد اپنے سائے سے خوف زدہ ہے۔ ان کی ایک نظم "مجھے کسی سے کچھ چھپانا ہے" فرد کی بے یقینی اور خوف زدگی کا احوال کچھ یوں سناتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

میں کیوں کسی سے کچھ چھپاتا ہوں

کیا یہ عادت مجھے غیر محفوظ گزری نسلوں نے وراثت میں دی ہے

کیا میں اپنے آس پاس بستے ہوئے لوگوں کے ردِ عمل میں ایسا ہو گیا ہوں؟

یا پھر کوئی اور وجہ ہو گی (۶)

منظوماتِ منیر میں ایسی بہت سی علامتیں موجود ہیں جو معاصر انسان کی وحشت اور دہشت کو آشکار کرتی ہیں۔ ان کے ہاں جنگل، ناگ، سپیرے، گدھ، چیتے، بھوکے شیر، اجڑے اور ویران مکان، طوفانی رات، سائے، چڑیلیں، بلائیں

اور تیز ہوا جیسے الفاظ وتراکیب کا استعمال جدید معاشرے میں رہنے والے لوگوں کی اخلاقی تنزلی کو عیاں کرتے ہیں۔ اس کربیہ ماحول میں ایک حساس انسان خود کو ایسا 'تنہا پھول'، محسوس کرتا ہے جو 'تیز ہوا' سے داخلی طور پر خوف زدہ ہے۔ 'تنہا پھول' جہاں ایک طرف بے مہروں کی بستی میں عمدہ خصائل والے اکیلے فرد کی علامت ہے وہیں فلسفۂ وجودیت والی 'تنہائی' کا ترجمان بھی ہے جس کے مطابق اس وحشت ناک دنیا میں انسان کو پھینک دیا گیا ہے اور اب نفسا نفسی کی ماری اس دنیا میں اس کا گزارہ ممکن نہیں کیوں کہ فرد کے نزدیک:

ع "میرے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں دل والا" (۷)

سو وہ عذابِ تنہائی میں مبتلا ہے۔ اس بات کی تائید "منیر نیازی ــــــ شخص اور شاعر" کی مصنفہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ اپنی تصنیف میں وہ لکھتی ہیں:

> "منیر کی شاعری آج کے صنعتی اور مادی دور میں سانس لینے والے فرد کی بپتا ہے جو بہ ظاہر سائنسی ترقی اور انکشافات سے مستفید ہے مگر در حقیقت تنہائی ، وجودی کرب، معاشرتی و معاشی جبر اور عدمِ مساوات اسے باطنی توڑ پھوڑ سے دوچار کرتے ہیں۔ یوں فرد کی زندگی 'تیز ہوا اور تنہا پھول' کے مانند' دشمنوں کے درمیاں ایک شام' بسر کرنے کے مترادف ہے اور جہاں قدم قدم پر 'جنگل میں دھنک' کا سماں ملتا ہے اور وہ 'ماہِ منیر' کے اسمِ اعظم کی تلاش میں 'صدا بصحرا' نظر آتا ہے۔" (۸)

منیر نیازی تمام عمر شہروں سے اسی لیے اکتائے رہے کہ یہاں حسد، بغض، خود غرضی اور بے حسی کے عارضوں نے بلند و بالا مکانوں کو ویران و سنسان بنا دیا ہے۔ یوں تو شہری مکانات آپس میں جڑے ہوئے ہیں لیکن فی الاصل یہ بے روح لوگوں کی قیام گاہیں ہیں۔ منیر کی نظم " شہروں کے مکان " انتہائی اختصار سے شہری زندگی کی وضاحت کرتی ہے ۔ دیکھیے:

ان مکانوں میں ہے کیا

بے روح لوگوں کے سوا (۹)

اسی طرح ان کی ایک اور نظم "اک اور گھر بھی تھا مرا" میں جدید فرد خود کو دو بستیوں میں بٹا ہوا ایسا مسافر خیال کرتا ہے جس کے ہاں اپنائیت مفقود ہے۔ ظاہر ہے یہ فقدان فرد کو بے وقعت و بے معنی زندگی کا احساس دلاتا ہے اس بے مقصد زندگی میں وہ کس ذہنی خلفشار سے گزر رہا ہے اس کی مثال ملاحظہ ہو:

وہ گھر جو تھی بستی مری

یہ گھر جو ہے ہستی مری

اُس میں بھی تھی ہستی مری

اِس میں بھی ہے ہستی مری

اور میں ہوں جیسے کوئی شے

دو بستیوں میں اجنبی (۱۰)

بے بسی اور بے چارگی کی تلخیاں، ہستی اور بستی کی کڑواہٹیں اور ایک اجنبی فرد وجودیت کے وہ بنیادی حوالے ہیں کہ جن سے کلامِ منیر میں رنگ بھرے گئے ہیں۔ خود منیر نیازی نے اپنے روزنامہ "جنگ" میں لکھے گئے ایک کالم میں معاصر عہد میں جاپانے والی وجودی بے معنویت کے حوالے سے لکھا ہے:

"بے معنویت اور لایعنیت میں بھی کچھ معنی ہوتے ہیں بلکہ اسے ایک باقاعدہ فلسفۂ حیات کے طور پر قبول کیا جاچکا ہے مگر جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں یہ لایعنیت کی ذیل میں بھی نہیں آتی۔ یہ صورت حال فحش ہے۔ فحاشی صرف جنس سے ہی متعلق نہیں ہوتی پورے طرزِ زندگی کو اپنے احاطے میں لے لیتی ہے اور غلیظ کر دیتی ہے۔ انسانی رویے، رشتے، اخلاقیات، اقتصادیات ہر شعبہ اپنی جگہ چھوڑ کر کسی نئی جگہ پر آباد ہونا چاہتا ہے مگر ہو نہیں پاتا۔ اس طرزِ حیات کو ہر پہلو سے کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ہم اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں مگر کہیں کوئی راستہ نہیں ملتا، اسے سفر بھی نہیں کہہ سکتے، یہ ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔ بس اپنے ٹھکانے سے ہلی ہوئی زندگی ہے جو ہم بسر کر رہے ہیں۔"(۱۱)

ٹھکانے سے ہلی ہوئی اس زندگی کو اگر منیر نیازی کی منظومات میں تلاش کیا جائے تو اس کے نشان بہ آسانی مل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی نظم "دھرتی ہی جب شورزدہ تھی" اسی تناظر میں لکھی گئی ہے۔ یہاں نظم گو نے دھرتی کو شورزدہ قرار دے کر صنعتی تہذیب کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ ذہنی و زمینی بنجرپن کا بیان دیکھیے:

دھرتی ہی جب شورزدہ تھی

پیڑ ہرے کیوں ہوتے

سوچیں تھیں جب بہت پرانی

لفظ نئے کیوں ہوتے (۱۲)

منیر نیازی کے ہاں وجودی اثرات کے تحت موت کا تصور بھی موجود ہے۔ وجودی فلسفی موت کو برحق گردانتے ہیں لہٰذا اس کے خوف سے دوچار نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر سمیرا اعجاز کے مطابق منیر کے ہاں بھی موت کے حوالے سے خوف یاد ہشت کا تصور نہیں ابھرتا۔ ان کے پہلے شعری مجموعے "تیز ہوا اور تنہا پھول" کی نظم "غم" میں شاعر کائنات کی خوب صورتیوں کے تمام مظاہر چاند، تارے، بہاریں، خزائیں، بدلتے موسموں کے ترانے، محبوب کا حسن، تصور کے ایوان، نگاہوں کی کلیاں اور لبوں کے فسانے، سب کو اپنے سانسوں کی جادوگری مانتا ہے اور پھر یہ غم لاحق ہوتا ہے کہ کیا یہ سب مظاہر اسی طرح قائم رہیں گے یا میری اشک آلود آنکھیں، انھیں دیکھنے کے لیے باقی نہ بچیں گی۔ ان کے اس غم میں بے بسی اور لاچاری کی کیفیت نہیں بل کہ بلند حوصلے کا پہلو نظر آتا ہے ۱۳۔ چناں چہ منیر نیازی کی نظموں میں موت 'زندگی کی دھوپ میں کھلے پیلے پھول' کے مانند نظر آتی ہے یعنی دھوپ فرد کے کرب کی علامت ہے جس کی روشنی میں پیلا پھول کھلتا تو ہے مگر دھوپ کی شدت اس کے رنگ وروپ کو جھلسا دیتی ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے مگر زندگی کے کرب واذیت وجودی فرد کو اس حقیقت کے قریب کر دیتے ہیں اور یہ شخص موت کے خوف کو جھٹک دیتا ہے۔ نظم "موت" کے درج ذیل مصرعے اس بات پر دال ہیں:

اس سکوتِ غم فزا میں اک طلسم ناز نیں

سرخ گہرے سرخ لب اور چاند سی پیلی جبیں

آنکھ کے مبہم اشارے سے بلاتی ہے مجھے

ایک پر اسرار عشرت کا خزانہ ہے وہ چشم دل نشیں (۱۴)

امجد طفیل نے منیر کی نظموں میں سرایت پذیر موت کے نشاطیہ آہنگ کے حوالے سے کس قدر صحیح لکھا ہے کہ:

" منیر نیازی ایک ایسا شاعر ہے جس نے موت کو ایک الم ناک لیکن جمالیاتی نشاط انگیز تطہیر کے طور پر محسوس اور بیان کیا ہے۔"(۱۵)

الغرض منیر نیازی کی منظومات میں وجودی اثرات کی آبیاری کی گئی ہے۔ان کی نظم میں جلوہ گر شخص خارجی دنیا سے داخل کی جانب سفر کرتا ہے اور داخل و خارج کے امتزاج سے ایسی دنیا وقوع پذیر ہوتی ہے،جو نہ صرف وجودی فرد کے جذبات و احساسات کو پیش کرتی ہے بل کہ پورے عہد کی عصری حسیت کی بھی نمائندہ بن گئی ہے۔ نظم نگار کے ہاں جو پُر اسرار ماحول ملتا ہے اس کی اساس خوف،دہشت اور حیرت ہے۔ان عناصر نے کلامِ منیر میں ابھرنے والے فرد کو مکان میں صدا اور مکان سے باہر خلا کی عجب دہشت میں مبتلا کررکھا ہے۔ بیسویں صدی میں جہاں دنیا میں ٹیکنالوجی اور صنعتی ترقی کا انقلاب برپا ہوا وہیں اقدارِ زندگی کی پامالی بھی ہوئی۔انفرادیت،خارجیت کی زد میں آ گئی تو فرد کے جذبات مجروح ہوئے۔ زندگی کے میکانکی عمل نے معاشرے کو جس شکست وریخت سے دوچار کیا اس کے نتیجے میں فرد کہیں گم شدہ ہے۔فرد کی یہ گمشدگی منیر کی نظموں میں تنہائی،بے یقینی،عدمِ تحفظ،اکتاہٹ اور لایعنیت کی صورت میں منظوم ہوئی ہے۔ تمام تر مادی آسائشات کے باوجود فرد ناآسودہ ہے۔یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ہر ذکی الحس انسان ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔منیر نیازی بھی ایک حساس شاعر تھے۔اپنے عہد کی صورت حال سے وہ بھی متاثر ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان کی نظمیں ہمارے سامنے اس شخص کو لے کر آتی ہیں جو ناآسودگی،عدمِ اطمینان،وحشت اور دہشت کے سائے تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اس کی یہ مجبوری فلسفۂ وجودیت میں رواں بے بسی اور لاچارگی کے زمرے میں آتی ہے۔ جس طرح منیر نیازی کے ہاں کم مایہ فرد معاشرے کی سفاکی کے ہاتھوں عدم تحفظ کا شکار ہے۔اسی طرح وجودی رویوں کے تحت منظوماتِ منیر میں اکتاہٹ اور بے زاری کے رنگ بھی ملتے ہیں۔ ان کے کلام میں یہ رجحانات کسی تحریک سے وابستگی کاشاخسانہ نہیں ہیں لیکن چوں کہ وجودی مسائل در حقیقت ان کے عصر کا منظر نامہ ہیں اس لیے وہ بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے عہد کے طرزِ احساس کو سمیٹتے سمیٹتے مغربی وجودیت پسندوں کے موضوعات خود بہ خود ان کے ہاں در آئے ہیں مگر ایسا نہیں ہوا کہ ان کی شدت نے انھیں ناامیدی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں دھکیل دیا ہو۔ اگرچہ وجودی اثرات کے تحت وہ زندگی کی اقدار کی پامالی اور جبریت کو موضوع بناتے ہیں مگر ساتھ ساتھ مذہبی تقدیس کو بھی بحال رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ سارتر، ژاں پال: وجودیت اور انسان دوستی (مترجمہ) قاضی جاوید، لاہور: روہتاس بک سیریز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۷

۲۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، جدید اردو نظم میں وجودیت، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص: ۴۱

۳۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۱

۴۔ نیر صمدانی، ڈاکٹر: اعتبارات، لاہور: وکٹری بک بنک، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۰۴

5۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، ص: ۵۴۴

۶۔ ایضاً، ص: ۶۰۷

۷۔ ایضاً، ص: ۶۰

۸۔ سمیرا اعجاز، ڈاکٹر، منیر نیازی — شخص اور شاعر، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۴ء، ص: ۹

۹۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، ص: ۲۵

۱۰۔ منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۵۷

۱۱۔ منیر نیازی، کچھ باتیں ان کہی رہنے دو، مشمولہ: شہر نما، صدف بخاری (مرتب)، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۳۔۱۴

12۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، ص: ۶۰۷

۱۳۔ سمیرا اعجاز، ڈاکٹر، منیر نیازی — شخص اور شاعر، ص: ۲۱۰

۱۴۔ منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، ص: ۵۶

۱۵۔ امجد طفیل، منیر نیازی: شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۷

Reference:

1. Sartre, Jean-Paul: Wajoodiyat Aur Insaan Dosti (Mutarjama) Qazi Javed, Lahore: Rohtas Book Series, 1991, p. 17
2. Shaheen Mufti, Dr., Jadeed Urdu Nazm Mein Wajoodiyat, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001, p. 41
3. Munir Niazi, Kulliyat-e-Munir Niazi, Lahore: Mavra Publishers, 1988, p. 41
4. Nayyar Samdani, Dr.: Itibaraat, Lahore: Victory Book Bank, 1995, p. 104
5. Munir Niazi, Kulliyat-e-Munir Niazi, p. 544
6. Ibid, p. 607
7. Ibid, p. 60
8. Sumaira Ejaz, Dr., Munir Niazi — Shakhs Aur Shair, Faisalabad: Misaal Publishers, 2014, p. 9

9. Munir Niazi, Kulliyat-e-Munir Niazi, p. 25
10. Munir Niazi, Aik Aur Darya Ka Samna, Islamabad: Dost Publications, 2008, p. 715
11. Munir Niazi, Kuch Baatein Un-kahi Rehne Do, Mashmoola: Shehr Numa, Sadaf Bukhari (Murattiba), Islamabad: Dost Publications, 2011, pp. 13-14
12. Munir Niazi, Kulliyat-e-Munir Niazi, p. 607
13. Sumaira Ejaz, Dr., Munir Niazi — Shakhs Aur Shair, p. 210
14. Munir Niazi, Aik Aur Darya Ka Samna, p. 56
15. Amjad Tufail, Munir Niazi: Shakhsiyat Aur Fan, Islamabad: Academy Adabiyaat Pakistan, 2006, p. 27